

## وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ۝

اللہ کے حوالے ہے۔<sup>[۳۱۹]</sup> اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

اسی طرح نقصان کا امکان ہے۔ بیس سو د کا معاملہ یا تو ایک فریق کے فائدے اور دوسرا کے نقصان پر ہوتا ہے، یا ایک کے لیکن اور متعین فائدے اور دسرے کے غیر لیکن اور غیر متعین فائدے پر۔

(۱) تجارت میں بالائی مشتری سے خواہ کتنا ہی زائد منافع لے، بہر حال وہ جو کچھ لیتا ہے، ایک ہی بار لیتا ہے۔ لیکن سو د کے معاملے میں مال دینے والا اپنے مال پر مسلسل منافع وصول کرتا رہتا ہے اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا منافع بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مدیون نے اس کے مال سے خواہ کتنا ہی فائدہ حاصل کیا ہو، بہر طور اس کا فائدہ ایک خاص حد تک ہی ہو گا۔ مگر وہ ان اس فائدے کے بد لے میں جو نفع اٹھاتا ہے، اس کے لیے کوئی حد نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مدیون کی پوری کمائی، اس کے تمام وسائل میشت، حتیٰ کہ اس کے تن کے کپڑے اور گھر کے برتن تک ہضم کر لے اور پھر بھی اس کا مطالبه باقی رہ جائے۔

(۲) تجارت میں شے اور اس کی قیمت کا تادله ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد مشتری کو کوئی چیز بالائی کو واپس دینی نہیں ہوتی۔ مکان یا زمین یا سامان کے کرایے میں اصل شے، جس کے استعمال کا معاوضہ دیا جاتا ہے، صرف نہیں ہوتی، بلکہ برقرار رہتی ہے اور بخوبی کرایہ دار کو واپس دے دی جاتی ہے۔ لیکن سو د کے معاملہ میں قرض و اسرمایہ کو صرف کر پہنچتا ہے اور پھر اس کو وہ صرف شدہ مال دوبارہ پیدا کر کے اضافے کے ساتھ واپس دینا ہوتا ہے۔

(۳) تجارت اور صنعت و حرف اور زراعت میں انسان محنت، ذہانت اور وقت صرف کر کے اس کا فائدہ لیتا ہے۔ مگر سو د کا رو بار میں وہ محض اپنا ضرورت سے زائد مال دے کر بلا کسی محنت و مشقت کے دوسروں کی کمائی میں شریک غالب بن جاتا ہے۔ اس کی حیثیت اصطلاحی "شریک" کی نہیں ہوتی جو نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے، اور نفع میں جس کی شرکت نفع کے تناسب سے ہوتی ہے، بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بالآخر اپنے نفع اور مال کا تناسب نفع کا دعوے دار ہوتا ہے۔

ان وجوہ سے تجارت کی معاشی حیثیت اور سو د کی معاشی حیثیت میں اتنا عظیم الاشان فرق ہو جاتا ہے کہ تجارت انسانی تمدن کی تعمیر کرنے والی قوت بن جاتی ہے اور اس کے بر عکس سو د اس کی تحریک کرنے کا موجب بنتا ہے۔ پھر اخلاقی حیثیت سے یہ سو د کی میں فطرت ہے کہ وہ افراد میں بخل، خود غرضی، شقاوت، بے رحمی اور زر پرستی کی صفات پیدا کرتا ہے، اور ہمدردی و امداد یا ہمی کی روح کو فنا کر دیتا ہے۔ اس بنا پر سو د معاشی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے نوع انسانی کے لیے تباہ کن ہے۔

[۳۱۹] یہیں فرمایا کہ جو کچھ اس نے کھایا، اسے اللہ معاف کر دے گا، بلکہ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ "جو کچھ کا سوکھا پکا" کہنے کا مطلب یہیں ہے کہ جو کھا چکا، اسے معاف کر دیا گیا، بلکہ اس سے محض قانونی رعایت مراد ہے۔ یعنی جو سو د پہلے کھایا چاہچا ہے، اسے واپس دینے کا قانوناً مطالبہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اگر اس کا مطالبه کیا جائے تو مقدمات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے جو کہیں جا کر ختم نہ ہو۔ مگر اخلاقی حیثیت سے اس مال کی تجارت بدستور باقی رہے گی جو کسی شخص نے سو د کا رو بار سے سیکھا ہو۔ اگر وہ حقیقت میں خدا سے ذر نے والا ہو گا اور اس کا معاشی و اخلاقی نقطہ نظر واقعی اسلام قبول کرنے سے تبدیل ہو چکا ہو گا، تو وہ خود اپنی اس دولت کو، جو حرام ذرائع سے آئی تھی، اپنی ذات پر خرچ کرنے سے پرہیز کرے گا اور کوشش کرے گا کہ جہاں تک ان حق داروں کا پتہ چلا یا جاسکتا ہے، جن کا مال اس کے پاس ہے، اس حد تک ان کا مال انھیں واپس کر دیا جائے، اور جس حصہ مال کے متحققین کی تحقیق نہ ہو سکے، اسے اجتماعی فلاح و بہبود پر صرف کیا جائے۔ یعنی عمل اسے خدا کی سزا سے بچا سکے گا۔ رہا وہ شخص جو پہلے کمائے ہوئے مال سے بدستور لطف اٹھاتا رہے تو بعید نہیں کہ وہ اپنی اس حرام خوری کی سزا پا کرے۔

يَنْحَقُّ اللَّهُ الرِّبُّو وَيُرْبِّي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ  
كَفَّارٍ أَتَيْمِ④ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ وَأَقَامُوا  
الصَّلَاةَ وَأَتَوْا الزَّكُوَةَ لَهُمْ أَجْرٌ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ  
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزُنُونَ ⑤ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ  
وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَّو اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ⑥ فَإِنْ لَمْ

اللہ سود کا مٹھا مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے۔ [۳۲۰] اور اللہ کسی ناشکرے بدل انسان کو پسند نہیں کرتا۔ [۳۲۱] ہاں، جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، ان کا اجر بے شک ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔ [۳۲۲] اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سودا لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا،

[۳۲۰] اس آیت میں ایک ایسی صداقت بیان کی گئی ہے، جو اخلاقی و روحانی حیثیت سے بھی سرا سر حق ہے اور معماشی و تمنی حیثیت سے بھی۔ اگرچہ بظاہر سود سے دولت بڑھنی نظر آتی ہے اور صدقات سے بھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، لیکن درحقیقت معاملہ اس کے بر عکس ہے۔ خدا کا قانون فطرت ہی کہ سودا اخلاقی و روحانی اور معماشی و تمنی ترقی میں نہ صرف مانع ہوتا ہے بلکہ تنزل کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور اس کے بر عکس صدقات سے (جن میں قرض حسن بھی شامل ہے) اخلاقی و روحانیت اور تمنی و میיעشت ہر چیز کو نشوونما نصیب ہوتا ہے۔

[۳۲۱] ظاہر ہے کہ سود پر روپیہ وہی شخص چلا سکتا ہے، جس کو دولت کی تقییم میں اس کی حقیقی ضرورت سے زیادہ حصہ ملا ہو۔ یہ ضرورت سے زیادہ حصہ، جو ایک شخص کو ملتا ہے، قرآن کے نقطہ نظر سے دراصل اللہ کا فضل ہے۔ اور اللہ کے فضل کا صحیح شکر یہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے اپنے بندے پر فضل فرمایا ہے، اسی طرح بندہ بھی اللہ کے دوسرے بندوں پر فضل کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا، بلکہ اس کے بر عکس اللہ کے فضل کو اس غرض کے لیے استعمال کرتا ہے کہ جو بندے دولت کی تقییم میں اپنی ضرورت سے کم حصہ پار ہے ہیں، ان کے قیل حصے میں سے بھی وہ اپنی دولت کے ذریعہ ایک جزاپی طرف کھینچ لے تو تحقیقت میں وہ ناشکر ابھی ہے اور نظام، جن کا اور بد عمل بھی۔

[۳۲۲] اس رکوع میں اللہ تعالیٰ بار بار دو قسم کے کرداروں کو بالقابل پیش کر رہا ہے۔ ایک کردار خود غرض، زر پرست، شایبلہ اک قسم کے انسان کا ہے، جو خدا اور خلق دونوں کے حقوق سے بے پرواہ کر رہا ہے گئے اور گن گن کر سنبھالنے اور ہفتلوں اور ہمیزوں کے حساب سے اس کو بڑھانے اور اس کی بڑھوڑی کا حساب لگانے میں منہک ہو۔ دوسرا کردار ایک خدا پرست، فیاض اور ہمدرد انسان کا کردار ہے، جو خدا اور خلق کا خیال رکھتا ہو، اپنی قوت بازو سے کام کر خود کھائے اور دوسرے بندگان خدا کو کھلائے اور دل کھول کر نیک کاموں میں خرچ کرے۔ پہلی قسم کا کردار خدا کو سخت ناپسند ہے۔ دنیا میں اس کردار پر کوئی صاحب سوسائٹی نہیں بن سکتی، اور آخرت میں ایسے کردار کے لیے غم و اندوہ اور کلفت و مصیبت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اللہ کو دوسری قسم کا کردار پسند ہے، اسی سے دنیا میں صاحب سوسائٹی نہیں ہے اور وہی آخرت میں انسان کے لیے موجب فلاح ہے۔

تَفْعَلُوا فَإِذْ نُوَا بِحَرَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ  
 فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تُظْلِمُونَ وَلَا تُظْلِمُونَ ۝  
 وَإِنْ كَانَ ذُو عَسْرَةٍ فَنَظِرْكُمْ إِلَى مَيْسَرٍ ۝ وَإِنْ تَصْدِقُوا خَيْرًا  
 لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَإِنْ قَوْا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى  
 اللَّهِ فِي ثَمَرٍ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلِمُونَ ۝  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَآيْنُمْ بِدَائِنِنَ إِلَى أَجَلِ مُسَمًّى

تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ [۳۲۳] اب بھی تو بہ کرو (اور سود چھوڑ دو) تو پنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ تمہارا قرض دار تنگ دست ہو، تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو، اور جو صدقہ کر دو، تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔ [۳۲۴] اس دن کی رسوئی و مصیبت سے بچو، جب کہ تم اللہ کی طرف واپس ہو گے، وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ظلم ہرگز نہ ہو گائے اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب کسی مقرمدت کے لیے تم آپس میں قرض کالین دین کرو، [۳۲۵] تو اسے

[۳۲۳] یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی جب کہ عرب اسلامی حکومت کے زیر نگیں آگیا تھا۔ اس سے پہلے اگرچہ سو ایک ناپسندیدہ چیز سمجھا جاتا تھا مگر قانوناً سے بند نہیں کیا گیا تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد اسلامی حکومت کے حدود میں سودی کاروبار ایک فوجداری جرم بن گیا۔ عرب کے جو قبیلے سود کھاتے تھے، ان کو بنی علیتؐ نے اپنے عمال کے ذریعے سے آگاہ فرمادیا کہ اگر اب وہ اس لین دین سے بازنہ آئے، تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔ آیت کے آخری الفاظ کی تباہ این عباس، حسن بصری، ابن سیرین اور رفع بن انس کی رائے یہ ہے کہ جو شخص دارالاسلام میں سود کھائے اسے تو بہ پر مجبور کیا جائے اور اگر بازنہ آئے، تو اسے قتل کر دیا جائے۔ دوسرے فقہا کی رائے میں ایسے شخص کو قید کر دینا کافی ہے۔ جب تک وہ سود خواری چھوڑ دینے کا عہد نہ کرے، اسے نہ چھوڑا جائے۔

[۳۲۴] اسی آیت سے شریعت میں یہ حکم نکالا گیا ہے کہ جو شخص ادائے قرض سے عاجز ہو گیا ہو، اسلامی عدالت اس کے قرض خواہوں کو مجبور کرے گی کہ اسے مہلت دیں، اور بعض حالات میں وہ پورا قرض یا قرض کا ایک حصہ معاف بھی کرانے کی مجاز ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کے کاروبار میں گھانا آ گیا اور اس پر قرضوں کا بارہ بہت چڑھ گیا۔ معاملہ بنی علیتؐ کے پاس آیا۔ آپ نے لوگوں سے ابیل کی کہ اپنے اس بھائی کی مدد کرو۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے اس کو مالی امداد دی۔ مگر قرضے پھر بھی صاف نہ ہو سکے۔ جب آپ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ جو کچھ حاضر ہے، بس وہی لے کر اسے چھوڑ دو، اس سے زیادہ تمہیں نہیں دلوایا جا سکتا۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایک شخص کے رہنے کا مکان، کھانے کے برتن، پہنچ کے کپڑے اور وہ آلات جن سے وہ اپنی روزی کاماتا ہو، کسی حالت میں قرق نہیں کیے جاسکتے۔

[۳۲۵] اس سے یہ حکم نکلتا ہے کہ قرض کے معاملے میں مدت کی تعین ہوئی چاہیے۔

فَاكْتُبُوهُ طَوْلِيْكُتُبُ بَيْنَكُمْ كَا تَبُ اِلْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ  
كَا تَبُ اَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلِمَهُ اللَّهُ فَلَيْكُتُبُ وَلِيُمْلِلِ الَّذِي  
عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلِيَتَقَرَّ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْغَاطٌ  
فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا  
يَسْتَطِعُ اَنْ يُمْلِلَ هُوَ فَلَيُمْلِلُ وَلِيُشَهِدُ اِلْعَدْلِ وَاسْتَشِهِدُوا  
شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ  
وَامْرَأَثْنَيْنِ مِنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّهَدَاءِ اَنْ تَضَلَّ اِحْدَاهُمَا  
فَتَدَكِّرِ اِحْدَاهُمَا اِلْاحْزَى طَوْلِيْكُتُبُ الشَّهَدَاءِ اِذَا مَا دُعُوا طَ

[۳۲۱] فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے۔ جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو، اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ وہ لکھنے اور املا وہ شخص کرانے جس پر حق آتا ہے (قرض لینے والا)، اور اسے اللہ اپنے رب سے ڈرنا چاہیے کہ جو معاملہ ہے ہوا ہواں میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ لیکن اگر قرض لینے والا خود نادان یا ضعیف ہو، یا املا نہ کر سکتا ہو، تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کرائے۔ پھر اپنے مردوں میں [۳۲۲] سے دوآ دیوں کی اس پر گواہی کرالو۔ اگر دو مردوں ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جائے، تو دوسری اسے یاددا دے۔ یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہیے، جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو۔ [۳۲۳] گواہوں کو جب گواہ بننے کے لیے کہا جائے، تو انہیں انکار نہ کرنا چاہیے۔

[۳۲۴] عموماً دوستوں اور عزیزوں کے درمیان قرض کے معاملات میں دستاویز لکھنے اور گواہیاں لینے کو معیوب اور بے اعتمادی کی دلیل خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ کا ارشاد یہ ہے کہ قرض اور تجارتی قراردادوں کو تحریر میں لانا چاہیے اور اس پر شہادت ثبت کرائیں چاہیے تاکہ لوگوں کے درمیان معاملات صاف رہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ تم قسم کے آدمی ایسے ہیں، جو اللہ سے فریاد کرتے ہیں، مگر ان کی فریاد سئی نہیں جاتی۔ ایک وہ شخص جس کی بیوی بد خلق ہو اور وہ اس کو طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ شخص جو شیم کے باعث ہونے سے پہلے اس کامال اس کے حوالے کر دے۔ تیسرا وہ شخص جو کسی کو اپنامال قرض دے اور اس پر گواہ نہ بنائے۔

[۳۲۵] یعنی مسلمان مردوں میں سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں گواہ بنا انتیاری فعل ہو وہاں مسلمان صرف مسلمانوں ہی کو اپنا گواہ بنائیں۔ البته ذمیوں کے گواہ ذمی بھی ہو سکتے ہیں۔

[۳۲۶] مطلب یہ ہے کہ ہر کس دنکس گواہ ہونے کے لیے موزوں نہیں ہے، بلکہ ایسے لوگوں کو گواہ بنایا جائے جو اپنے اخلاق و دیانت کے لحاظ سے بالعموم لوگوں کے درمیان قابل اعتماد سمجھے جاتے ہوں۔

وَلَا تَسْعُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَيْرًا إِلَى أَجْلِهِ طَذِلَكُمْ  
أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَفْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَى إِلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا  
أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدْبِرُ وَنَهَا بِيَنْكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ  
جُنَاحٌ إِلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهُدُوا إِذَا تَبَأَّ يَعْتَمْ صَوْصَ وَلَا يُضَارَّ  
كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ طَوَانْ تَفْعَلُوا فِي أَنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ طَ  
وَاتَّقُوا اللَّهَ طَوَانْ يُعَلِّمُكُمْ اللَّهُ طَوَانْ إِنَّمَا شَيْءُ عَلَيْمٌ ۝  
وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهُنْ مَقْبُوضَةً طَ

معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، میعاد کی تعمین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھوایلنے میں تسابیل نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ بُنی بر انصاف ہے، اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے، اور تمہارے شکوہ و شبہات میں بتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے۔ ہاں جو تجارتی لین دین دست بدست تم لوگ آپس میں کرتے ہو، اس کو نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں [۳۲۹] مگر تجارتی معاملے طے کرتے وقت گواہ کر لیا کرو۔ کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے [۳۳۰] ایسا کرو گے، تو گناہ کا ارتکاب کرو گے۔ اللہ کے غضب سے بچو۔ وہم کو صحیح طریق عمل کی تعلیم دیتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔ اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی کاتب نہ ملے، تو رہن بالقبض پر معاملہ کرو [۳۳۱]

[۳۲۹] مطلب یہ ہے کہ اگر چہ روزمرہ کی خرید و فروخت میں بھی معاملہ بیع کا خریر میں آجانا بہتر ہے، جیسا کہ آج کل کیش میو لکھنے کا طریقہ رائج ہے، تاہم ایسا کرنا لازم نہیں ہے۔ اسی طرح ہمسایہ تاجر ایک دوسرے سے رات دن جو لین دین کرتے رہتے ہیں، اس کو بھی اگر خریر میں نہ لایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

[۳۳۰] اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو دستاویز لکھنے یا اس پر گواہ بننے کے لیے محور نہ کیا جائے، اور یہ بھی کہ کوئی فریق کاتب یا گواہ کو اس بنا پر نہ تائے کہ وہ اس کے مفاد کے خلاف صحیح شہادت دیتا ہے۔

[۳۳۱] یہ مطلب نہیں ہے کہ رہن کا معاملہ صرف سفر ہی میں ہو سکتا ہے، بلکہ اسی صورت چونکہ زیادہ تر سفر میں پیش آتی ہے، اس لیے خاص طور پر اس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ نیز معاملہ رہن کے لیے یہ شرط بھی نہیں ہے کہ جب دستاویز لکھنا ممکن نہ ہو، صرف اسی صورت میں رہن کا معاملہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب محض دستاویز لکھنے پر کوئی قرض دینے کے لیے آمادہ نہ ہو، تو قرض کا طالب اپنی کوئی چیز رہن رکھ کر دیپے لے لے۔ لیکن قرآن مجید چونکہ اپنے بیرون وہوں کو فیاضی کی تعلیم دینا چاہتا ہے، اور یہ بات بلند اخلاق سے فروت ہے کہ ایک شخص مال رکھتا ہو اور وہ ایک ضرورت مند آدمی کو اس کی کوئی چیز رہن رکھ بغير قرض نہ دے، اس لیے قرآن نے قصد اس دوسری صورت کا ذکر نہیں کیا۔

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلِيُؤْعَدُ الَّذِي أُوتُتُنَا أَمَانَتَهُ  
وَلْيَتَقْرَبْ إِلَهُ رَبِّهِ طَوْلًا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ طَوْلًا مَنْ يَكْتُمُهَا  
فَإِنَّهُ أَثِمٌ قَلْبُهُ طَوْلًا اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَعْمَلُونَ عَلِيهِمْ طَوْلًا مَا فِي  
السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ طَوْلًا إِنْ يُبَدُّوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ طَوْلًا تُخْفَوْهُ  
يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ طَوْلًا فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ طَوْلًا وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ طَوْلًا

اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کر کے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے، تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے، اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے اور اللہ، اپنے رب سے ڈرے۔ اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ۔ [۳۳۱] جو شہادت چھپاتا ہے، اس کا دل گناہ میں آ لودہ ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ آسمانوں [۳۳۲] اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کا ہے۔ [۳۳۳] تم اپنے دل کی باتیں خواہ ظاہر کرو، خواہ چھپاؤ، اللہ بہر حال ان کا حساب تم سے لے لے گا۔ [۳۳۴] پھر اسے اختیار ہے، جسے چاہے، معاف کر دے اور جسے چاہے، سزا دے۔

اس سلطے میں یہ بھی معلوم ہوتا چاہیے کہ تم بالقبض کا مقدمہ صرف یہ ہے کہ قرض دینے والے کو اپنے قرض کی واپسی کا اطمینان ہو جائے۔ مگر اسے اپنے دیے ہوئے مال کے معاوضے میں شے مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ہم لیے ہوئے مکان میں خود رہتا ہے یا اس کا کراچی کھاتا ہے، تو دراصل سود کھاتا ہے۔ قرض پر برہ راست سود لینے اور ہم لی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے میں اصولاً کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی جانور ہم لیا گیا ہو تو اس کا درود ہا استعمال کیا جاسکتا ہے، اور اس سے سوری و پار برداری کی خدمت لی جاسکتی ہے، کیونکہ یہ دراصل اس چارے کا معاوضہ ہے جو مرہن اس جانور کو کھلاتا ہے۔

[۳۳۵] شہادت دینے سے گیر کرنا، یا شہادت میں صحیح واقعات کے اطمینان سے پر ہیز کرنا، دونوں پر ”شہادت چھپانے“ کا اطلاق ہوتا ہے۔

[۳۳۶] یہ خاتمه کلام ہے۔ اس لیے جس طرح سورت کا آغاز دین کی بنیادی تعلیمات سے کیا گیا تھا، اسی طرح سورت کو ختم کرتے ہوئے بھی ان تمام اصولی امور کو بیان کر دیا گیا ہے جن پر دین اسلام کی اساس قائم ہے۔ قابل کے لیے اس سورہ کے پہلے کوئی کوسا منے رکھ لیا جائے تو زیادہ مفید ہو گا۔

[۳۳۷] یہ دین کی اولین بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مالک زمین و آسمان ہوتا اور ان تمام چیزوں کا جو آسمان و زمین میں ہیں، اللہ ہی کی ملک ہوتا، دراصل یہی وہ بنیادی حقیقت ہے، جس کی بنا پر انسان کے لیے کوئی دوسرا طرز عمل اس کے سوا جائز اور صحیح نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ کے آگے سرطان اعut بھکا دے۔

[۳۳۸] اس تقریے میں مزید دو باتیں ارشاد ہوئیں۔ ایک یہ کہ ہر انسان فرد افراد اللہ کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔

دوسرے یہ کہ جس پادشاہ زمین و آسمان کے سامنے انسان جواب دہے، وہ غیب و شہادت کا علم رکھنے والا ہے، حتیٰ کہ دلوں کے چھپے ہوئے ارادے اور خیالات تک اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔